نام کتاب	:	معارفِ فریدیہ، دیوان بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، تعارف و ترجمہ (پنجابی، اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی)
مصنف	:	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
ناشر	:	ڈاکٹر سیّد محمد قمر علی زیدی، ڈائریکٹر مذہبی امور و اوقاف، پنجاب
سالِ اشاعت	:	جون ۲۰۰۵ء
صفحات	:	۳۰۹
قیمت	:	درج نہیں
مبصر	:	محمد احمد*

تزکیہ نفوس کے لیے صوفیۂ کرام نے جو خدماتِ جلیلہ سرانجام دیں وہ تاریخ اسلام کا ایک سنہری باب ہیں۔ برصغیر کی تاریخ بالخصوص اِن نفوس قدسیہ کی ترویج و اشاعت اسلام کے لیے مساعیٔ جمیلہ اور قلوب و اذہان کو نورِ ایمان سے منور کرنے کے لیے تربیت کے آثار سے جگمگا رہی ہے۔ برصغیر وہ خطہ ہے جہاں بیشترسلاسل تصوف کے اکابرین نے تطہیر فکر کے لیے لازوال داستانیں رقم فرمائی ہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور پوری زندگی تقویٰ شعاری اختیار کیے رہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ (متوفی۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء) اس قافلۂ جذب وعشق اور راہ سلوک کے ایک ایسے سالار ہیں جنھوں نے عرفان و آگہی اور علوم و معارف کی ایک دنیا آباد کی۔ لاکھوں کی تعداد میں تشنہ لب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دریا بداماں واپس لوٹے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم حفظ قرآن اور کسب فیض کے ابتدائی مراحل والدہ ماجدہ قرسوم علیہا الرحمہ کی درسگاہ عالیہ سے حاصل کیے۔ اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد مولانا منہاج الدین ترمذی کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ اس دوران ملتان کے دورے پر تشریف لانے والے عظیم صوفی بزرگ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (متوفی۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کے ہاتھ پر بیعت کی جو سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ(متوفی۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء) کے خلیفہ تھے۔اپنے مرشد

☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد

کے حکم کے مطابق اکتساب فیض اور اسلام کی تعلیم و ترویج کی خاطر تقریباً ۱۹ سال قبل از خلافت اور ۲۱ سال بعد از خلافت سفر خیرو سعادت کیا جس میں زیارت حرمین شریفین بھی شامل تھی۔

بابا صاحب نے مجاہدے کے اس سفر میں بخارا میں حضرت اجل شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ سیف الدین فردوسیؒ ، بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، سیستان میں شیخ اوحد الدین کرمانیؒ ، بدخشاں میں حضرت شیخ عبدالواحدؒ، دمشق میں حضرت شہاب الدین زندویؒ، نیشاپور میں حضرت فرید الدین عطارؒ سے کسب فیض کیا۔ علاوہ ازیں چشت، غزنین ، شام اور بیت المقدس کا سفر بھی کیا اور معاصر اولیاء اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ واپس آ کر والدہ صاحبہ کی اجازت سے پیرو مرشد کی خانقاہ دہلی پہنچ گئے۔جہاں زیارت مرشد کے ساتھ ساتھ مرشد کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی صحبت عالیہ سے مستفیض ہوئے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا۔ ''یہ نوجوان زاہد تو سدرۃ المنتہیٰ تک رسائی پانے والا شہباز معلوم ہوتا ہے'' اس کے بعد بارہ سال سے زائد عرصہ تک ہانسی کی جامع مسجد کو مسکن بنائے رکھا اور بالاخر اپنی جائے پیدائش ''کوٹھی وال'' (بمطابق سیر الاولیاء کھتووال) ملتان تشریف لے آئے جہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد'' اجودھن'' (موجودہ پاکپتن) تشریف لے گئے اور یہاں تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا۔ الحمدللہ! یہ آفتابِ معرفت اجودھن میں کچھ اس شان سے طلوع ہوا کہ آج تک اس کی نورانی کرنوں سے تاریک دلوں کو روشنی مل رہی ہے، اور گم کردہ راہ لوگ منزل کا سراغ پاتے ہیں۔

زیر نظر کتاب سلسلہ چشتیہ کے انہی عظیم المرتبت بزرگ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے مختصر حالات زندگی، مجموعہ کلام، اس کی سند و اصالت، محاسن اور پانچ مختلف زبانوں میں تراجم اور تشریح کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں حضرت بابا صاحب کے کلام کو دیوان کا نام دیا گیا ہے۔فاضل مصنف ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے بڑی دقیق تحقیق کے ذریعے اس کلام کی سند حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے ثابت کی ہے اس کے علاوہ تمام اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا ہے اور کلام کے محاسن تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ کتاب بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا حصہ ان پانچ مقدمات پر مشتمل ہے جو پنجابی، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں تحریر کئے گئے ہیں یہی وہ خصوصیت ہے جو اس کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ کا سبب ہے۔ پانچ مختلف زبانوں سے تعلق رکھنے والے اس کتاب کے ذریعے حضرت بابا صاحبؒ کے افکارِ جلیلہ سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ ان مقدمات میں بنیادی طور پر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے شاعر ہونے، شلوک بابا فرید کی آپ سے نسبت اور اس کی صحت سے متعلق سیرحاصل بحث کی گئی ہے۔پنجابی، فارسی اور

انگریزی زبان میں تحریر کیے گئے مقدمات اُردو اور عربی مقدمات کی طرح مفصل تو نہیں لیکن ان میں بعض مزید تاریخی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''آپ پاک وہند کے پہلے ولی ہیں جنہیں خلافت وراثت میں نہیں بلکہ اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر عطا ہوئی۔آپ پنجاب میں چشتی سلسلے کے پہلے امام ہیں‌اور پنجابی شاعری کے بانی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب دیوان شاعر ہیں۔اسی طرح جنگل و بیابان میں ایک درخت تلے ڈیرہ لگا کر خدمت خلق اور تبلیغ دین کی روایت کے بھی بانی ہیں۔نفس امارہ کے شیطان کے خاتمے کے لیے جس فقرو فاقہ، چلہ کشی اور آزمائشوں سے اپنے آپ کو گزارا وہ ابنیاء کے صبروفقر کی یاد کو تازہ کر دیتی ہیں''۔ (صفحہ ۸)

اُردو اور عربی مقدمات میں تبلیغ و اشاعت اسلام میں بابا صاحب کی کامیابی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ ''اولین سبب یہ ہے کہ آپ اپنے قول وعمل اور روش میں سنت مصطفیٰ ﷺ پر پوری طرح کار بند رہے...... دوسرا سبب یہ ہے کہ آپ نے کفر و ضلالت اور جہالت وگمراہی کی اس سرزمین میں سیرت نبویؑ کے مکی عہد کو ملحوظ رکھا...... مکی عہد کی سیرت پاک کا سبق یہ ہے کہ حکمت ومصلحت اور صبروہمت کی راہ پر گامزن ہوکر اس مرحلہ میں درویشانہ خاموشی کے ساتھ مشکلات اور مصائب کا دلیرانہ سامنا کرتے ہوئے اپنی عملی تربیت اور حقیقی قوت و صلاحیت میں اضافہ پر کاربند ہوا جائے...... کامیابی اور کامرانی کا تیسرا اور اہم سبب یہ تھا کہ آپ کا ہر قدم للّٰہ فی اللّٰہ ہوتا تھا اور تمام کام اخلاص ، فقر اور قناعت پر مبنی ہوتے تھے'' (صفحہ ۱۲۔۱۳)

آپ کے لقب گنج شکر سے متعلق مختلف روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو نماز کی طرف مائل کرنے کی غرض سے آپ کی پسندیدہ غذا شکر آپ کے مصلے کے نیچے ایک کونے میں رکھ دیا کرتی تھیں۔ آپ نماز کے بعد وہ شکر اٹھا کر کھا لیتے۔ ایک روز ماں شکر رکھنا بھول گئیں تو من جانب اللہ آپ کو شکر عطا کر دی گئی۔جس پر آپ کی والدہ ماجدہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ مقام عطا فرمایا ہے اور ساتھ ہی آپ کو گنج شکر کے لقب سے نوازا۔

میر خورد، محمد بن مبارک علوی کرمانی (متوفی ۷۷۰ھ)، سیر الاولیاء میں ایک یہ روایت بیان کرتے ہیں‌کہ بابا صاحب نے جب اپنے مرشد کے حکم پر ''طے'' کا روزہ رکھا اور افطاری کے لیے کچھ نہ پایا تو کنکرہی منہ میں بھرلیے جو منہ میں شکر بن گئے اس پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ''گنج شکر'' کا لقب عطا کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) اخبار الاخیار میں مذکورہ بالا روایت کے ساتھ

ایک اور روایت یہ بیان کرتے ہیں کہ شکر کے بعض سوداگر اونٹوں پر شکر لے کر جارہے تھے۔ آپ نے ان سے کچھ شکر مانگی تو انہوں نے کہا کہ آپ کو مغالطہ ہوا ہے، ہمارے اونٹوں پر شکر نہیں بلکہ نمک لدا ہے جس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اگر آپ لوگ نمک کہتے ہیں تو نمک ہی ہوگا۔ جب وہ سوداگر بازار پہنچ کر اسے فروخت کرنے لگے تو انہوں نے شکر کی جگہ نمک پایا۔جس پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور واپس آکر آپ سے معافی مانگی تو آپ نے اللہ رب العزت سے ان کے حق میں دعا کی تو نمک دوبارہ شکر میں تبدیل ہوگیا۔

محترم مصنف مذکورہ بالا روایات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اس تلقیب (گنج شکر یا شکر گنج) کی وجہ آپ کے اس حلم و بردباری، شفقت و رحمت ، لطافت کلام اور شگفتگیء گفتار کو قرار دیتے ہیں جو انہیں عشق مصطفیٰ ﷺ اور پیروی اسوہ حسنہ کے طفیل عطا ہوئی تھی ۔(صفحہ ۱۶)

آپ کے خاندان کے نسب سے متعلق ڈاکٹر صاحب اس دعویٰ کو مسترد کرتے ہیں جس میں اس سلسلہ نسب کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملایا گیا ہے۔ البتہ اسے ایک امکان قرار دیتے ہیں۔ اس طرح ابراہیم بن ادہم اور محمود غزنوی سے آپ کے خاندانی تعلق کو بلا دلیل قرار دیتے ہیں۔ جبکہ آپ کو عربی النسل قرار دیتے ہوئے یہ دلائل پیش کئے ہیں کہ آپ کے خاندان میں جو نام مروج تھے وہ چوتھی صدی ہجری میں بلاد حجاز و یمن اور پوری عرب دنیا میں مروج تھے مثلاً آپ کی اولاد کے نام بدرالدین سلیمان، جمال الدین سلیمان اس طرح آپ کے خلیفہ اور داماد بدرالدین اسحاق وغیرہ ۔ اس ضمن میں آپ نے جناب محمد آصف مرحوم کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔

ان مقدمات کا اگلا حصہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے شاعر ہونے ان کی شاعری اسکی سند اور اسکے محاسن پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ بابا سائیں ایک کثیر الالسنہ شاعر ہیں۔ عربی، فارسی، ہندوی یا اردو اور پنجابی میں آپ نے شاعری کی ہے۔ البتہ عربی کلام اب دستیاب نہیں تاہم آپ کے بعض عربی اقوال ہیں جن سے آپ کی عربی شاعری کے اعلی ذوق کا ثبوت ملتا ہے مثلاً

☆ **ان اللہ یستحیی من العبد ان یرفع الیہ یدیہ و یردھما خائبتین!.**

☆ **الصوفی یصفوبہ کل شیء ولا یکدرہ شیءٌ.**

☆ **العلماء اشرف الناس والفقراء اشرف الاشراف**

پھر یہ کہ بابا صاحب عالم بن عالم تھے اور عربی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے اور آپ کے عربی النسل ہونے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔عربی کے علاوہ آپ کا فارسی اور ہندوی یا اردو کلام بھی قلیل الوجود ہے البتہ آپ کی مادری زبان پنجابی میں آپ کا کلام آپکے دل کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے آپ کی شاعری کی جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے وہ عربی مقدمہ میں واضح نظر آتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بابا جی کی شاعری دنیا سے دل نہ لگانے، اس سے کراہت کرنے اور یوم آخرت کو ہر وقت دل میں زندہ رکھ کر زندگی گزارنے کا درس دیتی ہے۔ اس بنیاد پر آپ نے خود بھی فقرو فاقہ کی زندگی بسر کی اور اسی کی تعلیم دی جو آپ کے اشعار سے بہت نمایاں ہے۔آپ کے اشعار میں موت اور قبر کے احوال کا کثرت سے ذکر ہے جو درحقیقت عمل پر اُبھارنے کا سبب ہے۔ (صفحہ: ۴۶۔۵۵)

بابا صاحب کے شعری کلام سے متعلق یہ روایت بھی معروف ہے کہ اس وقت جو کلام شلوک بابا فرید یا کلام فرید کے نام سے معروف ہے وہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا نہیں بلکہ آپ کی اولاد میں سے ایک ''فرید ثانی'' کا ہے۔ اس کی نفی اور کلام کی آپ سے نسبت و استناد اور اصالت کے ثبوت کیلئے فاضل مصنف نے پانچ بنیادی سوال اٹھا کر ان کا تحقیقی جواب دیا ہے جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ کلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ ہی کا ہے۔ مثلاً یہ کہ: ''کیا یہ پنجابی اشعار کہنے والا فرید واقعی بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہیں یا ان کا تخلیق کار کوئی اور ''فرید'' ہے اور بابا جی سے ان کی نسبت درست نہیں؟'' اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس پر معتبر ترین گواہی اصمعیٔ پنجاب بابا گرونانک اور ان کی کتاب توحید یا گروگرنتھ کافی ہے جہاں صاف لکھا ہے کہ یہ کسی فرید ثانی کے نہیں بلکہ '' بابا فرید'' کے شلوک ہیں۔ داخلی شہادت اشعار کی وہ پنجابی زبان ہے جس پر عربی و فارسی، پرکرتوی، سندھی، ملتانی اور ہندوی کے وسیع اثرات کی چھاپ ہے۔'' (صفحہ ۔۳۳)

آپ لکھتے ہیں کہ بابا جی کے ایک پڑپوتے ابراہیم فرید ثانی نے استخارہ کے بعد اپنے بزرگ کا یہ کلام بابا گرونانک کو دیا تھا کہ وہ اسے گروگرنتھ میں محفوظ کر لیں نہ کہ اس کے مصنف کہلانے لگیں ۔

کتاب کا دوسرا حصہ بابا صاحب کے اس کلام اور اس کے پانچ زبانوں میں ترجمے اور تشریح پر مشتمل ہے جسے دیوان بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا نام دیا گیا ہے۔ اس حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ متن کو اصل خط میں نقل کرنے کے بعد مشکل الفاظ کی لفظی تشریح کی گئی ہے ۔ تشریح اس قدر مفصل اور آسان ہے کہ صرف لفظی تشریح پڑھنے کے بعد شعر کا مکمل مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کے بعد سلیس اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں تشریح کو بین القوسین ذکر کیا ہے تاکہ لفظی ترجمہ بھی باقی رہے اور مترجم کے اضافے کا علم بھی ہوسکے۔اس کے بعد عربی ترجمہ اور پھر فارسی اور انگریزی ترجمے

ہیں۔ ان سب میں بھی اضافوں کو قوسین میں درج کیا گیا ہے۔

پیش نظر رہے کہ کسی بھی زبان کے اشعار کا کسی دوسری زبان میں منظوم اظہار بسااوقات مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوجاتا ہے، مگر پیش نظر تراجم اشعار میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ نثری ترجمے کا ہے جس میں نغمگی تو متاثر ہوتی ہے مگر خیال مجروح نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے ہم اشعار کی ترجمانی کے اسلوب کو فنی اور فکری ہر دو لحاظ سے کامیاب تصور کرتے ہیں۔

بابا صاحب کا کلام قرآن و حدیث ہی کی تشریح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سورۃ ملک، حدید، زخرف، ق، الم نشرح، طہٰ، لقمان اور فرقان کی ان آیات کا حوالہ دیا ہے جن کا مفہوم بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے شعری صورت میں بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۷۹، ۹۳، ۹۷، ۱۴۰، ۱۹۰، ۲۳۸ اور ۳۰۸)۔ صفحہ ۷۹، ۸۵ اور ۲۳۷ پر احادیث ذکر کی ہیں۔حدیث **الدنیا جیفة و طالبها کلاب** کو آپ بابا صاحب کے اس شعر کا مرجع قرار دیتے ہیں۔

å^ãe oãr+ ^nÞ• (1ãr‰ äÞ >rÒ (1ãre äÞ >rÒ
å^â ^rÞæ ofßâ 7^i 6nâ^Þ (^jnÒ ^, ß2 c†nÚ6nñ^‰

بعض اشعار کے ذیل میں دوسرے شعراء کے اشعار بھی ملتے ہیں جو مفہوم کی وضاحت کا فریضہ خوب انجام دیتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کے اشعار، صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۱۴ بھی اس کتاب میں شارح کا فریضہ انجام دیتے نظر آتے ہیں۔صفحہ ۱۰۸ پر باباجی قناعت وصبر کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

oq 6mæ^‰†i äÞ (p<µç2 oñ]†µ >Ómæ   oµ oÞ^µ]; ßã: (1Ò 1ñ^ãÒ oÓ‰ oãÒ...

کہ جو روکھی سوکھی میسر آئے کھا لینا اور ٹھنڈا پانی پی لینا لیکن دوسروں کے ہاں مرغن اور گھی والی روٹی دیکھ کر لالچ میں مت آنا اور خود کو مت ترسانا۔ ڈاکٹر صاحب اس شعر کا عربی ترجمہ کرنے کے بعد ایک عربی شاعر کا یہ شعر بھی نقل کرتے ہیں:

النفس راغبة اذا رغبتها   واذا تُردُّ الی قلیل تقنع

مختلف مقامات ، صفحہ ۹۱، ۱۳۸، ۱۸۰ پر شیخ سعدی کے اشعار سے تشریح فرمائی ہے۔ ایک شعر میں بابا جی نفس کو سرزنش کرتے ہیں جس کے فارسی ترجمے کے بعد شیخ سعدی کا یہ شعرقلمبند فرمایا ہے:

چہل سال عمر عزیزت گزشت   مزاج تو از حال طفلی نگشت

جہاں اس کتاب سے ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی اور علمی تبحر کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ آپ کے مختلف زبانوں پر عبور کی روشن مثال بھی ہے۔زیر نظر دیوان ان تمام ایک سو بارہ (۱۱۲) اشعار جو گرو گرنتھ

میں محفوظ ہیں اور اس کے علاوہ تراسی (۸۳) دوسرے اشعار پر مشتمل ہے جو بابا فریدالدین مسعودؒ سے منسوب ہیں اور ان کی نسبت پر کسی محقق اور ناقد کو کوئی اعتراض نہیں۔

یہ تجویز دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر پنجابی، فارسی اور انگریزی مقدموں کو بھی اُردو اور عربی مقدمات کی روشنی میں مفصل بنا دیا جائے (اگرچہ طوالت کا خوف موجود ہے) تو ہر زبان والوں کے لیے یہ برابر مفید ثابت ہونگے۔آخر میں ڈاکٹر صاحب کے اس علمی کارنامے کا مقصد انھی کی زبانی بیان کرتا ہوں آپ پنجابی مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں بابا سائیںؒ دی صوفیانہ تے فقیرانہ عظمت دا قائل تے انہاں دے شاعرانہ کمالات دا معترف ہاں! میں نوں کسے قسم دی اولیائی یا زہد تے تصوف دا دعویٰ اے نہ میں ایس قابل ہاں، پر اللہ تے اللہ والیاں دا دوست ضرورہاں! ایس لئی بابا سائیںؒ دیاں گلاں وی پیاریاں لگدیاں نیں تے انہاں دیاں انہاں گلاں نوں ودھ توں ودھ اللہ تعالیٰ دیاں بندیاں تک پہنچانے دا شوق تے ارادہ وی رکھدا واں''۔

ڈاکٹر صاحب اس تصنیف پر مبارک باد کے مستحق ہیں جو ایک عظیم صوفی بزرگ ، مبلغ ،عالم اور زاہد کی تعلیمات کو دنیا کے مختلف حصوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرے گی۔